© rasailojaraid.com

مطبوعات

(اس اشاعت میں ہم چند اہم انگریزی کتابوں کا تعارف پیش کرتے ہیں)

دنیا کی زمام کار اس وقت اہلِ مغرب کے ہاتھوں میں ہے اور وہی پوری نوع انسانی کو علمی و فکری غذا فراہم کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں اسلامی دعوت کے علمبرداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دَورِ جدید کے رجحانات اور قبولِ عام تحریکات سے اچھی طرح واقف ہوں۔

مغربی تہذیب کے بارے میں جو چیز پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ترقی اب تنزل کے آغوش میں دم توڑ رہی ہے۔ مغربی مفکرین آج اس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ یورپ کو تباہی اور بربادی سے کس طرح بچایا جائے۔ سائنس کے کمالات نے اہلِ مغرب کے سامنے طریقِ پیدائش کی نئی نئی گرہیں تو کھول دی ہیں مگر انسانیت کے راز ان پر افشا نہیں کیے۔ وہ مادی سامان کی فراوانی کے باوجود آج مضطرب ہیں۔ اور اسی اضطراب کا اظہار وہاں کے متعدد اصحابِ فکر نے کیا ہے۔ ہم آج ان صفحات میں انہی میں سے چند لوگوں کے خیالات پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ ہمارے عہد کا بحران (The Crisis of our Age) مصنف پ۔ ا۔ سارو کن P.A. Sorokin ضخامت ۳۳۸ صفحات۔

یہ کتاب پہلی بار نیو یارک میں شائع ہوئی اور اکتوبر ۱۹۴۱ء سے اگست ۱۹۴۷ء تک اس کے نو ایڈیشن نکل گئے۔ اس کا مصنف ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبہ عمرانیات کا صدر ہے۔ اس سے پہلے وہ عمرانیات کے بین الاقوامی ادارہ کا صدر تھا۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے نہایت ہی ٹھوس اور واضح دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن پر اب نزع کا عالم طاری ہے، اور یہ مصیبت جس میں کہ وہ اپنے آپ کو اس وقت گرفتار پاتا ہے کوئی آفتِ ناگہانی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فطری نتیجہ ہے اُس فکر کا جسے یورپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے پچھلے دو سو سال میں جنم دیا۔ اس عالمگیر فساد کا ذکر جن الفاظ میں اُس نے کیا ہے وہ اس قابل ہیں کہ اُن پر نہایت ہی ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔

وہ کہتا ہے :-

" بدیہی شہادتوں کے پیشِ نظر مجھے اس بات کا پُوری طرح اطمینان ہو گیا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ، ہماری تعلیم، ہماری سوسائٹی ایک زبردست بحران سے گزر رہے ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ، قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو۔ سارے بدن میں ناسور ہیں۔ ہم اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑے ہیں جس کے ایک طرف ماضی کا حسّی تمدّن ہے اور دوسری طرف مستقبل کا تصوری تمدن۔ ہم چھ سو سال گزارنے کے بعد اب زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی بھولی بھٹکی کرنیں اگرچہ دنیا کو منوّر کر رہی ہیں مگر رات کے تاریک سائے بھی ہر لحظہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس شفق میں جبکہ سورج کی بصارت میں کمی واقع ہو گئی ہے ہمارے لیے اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ تاریک رات نوعِ انسانی کو اپنے ڈراؤنے پروں میں چھپانے کے لیے منتظر ہے۔ ... مگر اس تاریکی سے بہت دُور تصوری تمدن کی صبح بھی مستقبل کے انسان کے انتظار میں کھڑی مسکرا رہی ہے "

فاضل مصنف نے نہایت ہی دیدہ وری کے ساتھ اپنے زمانہ کی خرابیوں اور خامیوں کا احساس کیا ہے۔ اس کی وطن پرستی اندھی نہیں، روشن ضمیر ہے۔ وہ دورِ حاضر کی فنی اور صنعتی ترقی اور سائنس کے کمالات سے خیرہ چشم ہو کر کسی خوش فہمی میں گرفتار نہیں ہوا بلکہ اُس نے اپنی قوتِ تنقید کو بیدار رکھا ہے اور ایک ایکس رے ایکسپرٹ کی طرح فساد کے ان مرکزوں کی نشاندہی کی ہے جو اگرچہ دنیا کی نظروں سے مستور ہیں مگر نوعِ انسانی کے جسم کو برباد اور اُس کے خون کو گندا کر رہے ہیں۔ اُس کے نزدیک یہ فساد ہمہ گیر ہے۔ اور زندگی کے رگ و پے میں پُوری طرح سرایت کر چکا ہے۔ لہٰذا دورِ جدید کا سب سے اہم مسئلہ یہ نہیں کہ نظامِ حکومت کا ظاہری ڈھانچہ کس شکل کا ہونا چاہیے بلکہ سب سے ضروری سوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ فساد کی ان جڑوں کو کس طرح تبدیل کیا جائے جن سے شر کی یہ ساری کونپلیں پھوٹتی اور غذا حاصل کرتی ہیں۔ وہ پورے زور سے کہتا ہے:

"دورِ حاضر کے بحران کی اصل وجہ یہ نہیں کہ اس عہد میں ہٹلر، مسولینی، سٹالن یا چرچل نے جنم لیا۔ یہ لوگ تو اس بحران کی پیداوار ہیں۔ ان کو دنیا کے سٹیج سے ہٹا دینے سے فساد کا خاتمہ نہیں ہو گا بلکہ ان کے ہٹنے کے ساتھ ہی ان سے زیادہ شریر لوگ ان کی جگہ پر قابض ہو جائیں گے۔ اگر ہم واقعی اصلاحِ حال چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے فکر و نظر کے زاویوں کو بدلنا چاہیے۔ یہ تبدیلی اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ لوگوں میں اپنی تباہی و بربادی کا ایک شدید احساس پیدا ہو۔ کیونکہ یہ احساس ہی لوگوں کو انقلاب کے لیے سرگرمِ عمل کر سکتا ہے۔"

اس کے علاوہ وہ لوگوں کی اس غلط فہمی کو بھی دور کرتا ہے جس کا شکار ہو کر لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس حسی تمدن کے علاوہ کوئی جامع تہذیب نہیں۔ اُس نے پوری وضاحت سے یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس تہذیبِ الحاد کے مقابلہ میں ایک ایسا نظامِ حیات بھی ہے جس کی بنیاد خدا پرستی پر رکھی گئی ہے۔ یہ تمدن کوئی نیا نہیں بلکہ دنیا کئی بار اس کی شعاعوں سے منور ہو چکی ہے۔ اس لیے اگر ہم واقعی اپنے دکھوں کا مداوا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم جدید ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس نئے نظامِ زندگی کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کریں کہ وہ اسے قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔

ہمارے نزدیک اس کتاب کا مطالعہ نہایت ہی اہم ہے۔ اس سے یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جاتی ہے کہ دورِ جدید کا انسان اس حسی تہذیب و تمدن کی گرمی سے خوب تپ چکا ہے اور فلسفہ اور سائنس کے صحرا میں کنارے کی شادابیوں سے گزر کر وسط کی بے آب و گیاہ پہنائیوں تک پہنچنے کے بعد اب اپنے دل میں ایک تڑپ محسوس کر رہا ہے۔ اس کے لبِ مرگ زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں۔ ع

جگر کی آگ بجھے جس سے وہ شے لا

© rasailojaraid.com